© rasailojaraid.com

احقر سے بار بار علالت کے دوران جامعہ کا ذکر فرماتے۔ علی محمد صاحب کی خواہش پر جب میں نے جامعہ کے مہتمم کا عہدہ سنبھالا تو مفتی صاحب کو ایک طرف خوشی ہوئی اور دوسری طرف میں نے مرحوم کے اندر قلق اور رنج محسوس کیا اور یہ رنج وافسوس ضیاء الحق صاحب کے جامعہ سے بے تعلق ہونے کا تھا اور ان کی جگہ ایک ایسے شخص کے تقرر کا تھا جس سے ضیاء الحق صاحب کو خاص قسم کی قلبی الجھن رہی اور معاصرانہ رقابت بھی۔

بہرحال جامعہ رحیمیہ کے قیام اور اس کی موجودہ ترقی میں مفتی صاحب کی قلبی توجہات کا بہت دخل رہا۔ خدا خوش رکھے مفتی ضیاء الحق صاحب کو وہ پاکستان چلے گئے اور مفتی صاحب مرحوم نے ان کی جدائی کا بھی صدمہ اٹھایا۔ مفتی صاحب کی آخری علالت کے دوران ہی ضیاء الحق صاحب مفتی صاحب سے جدا ہو گئے تھے۔

دارالعلوم کی کش مکش کے زمانہ میں مفتی صاحب زندگی کی بڑی کش مکش سے دوچار رہے، ایک طرف مولانا اسعد پارٹی کے قبضہ اور اس کے نتائج میں انھیں دارالعلوم کی روایات کا زوال نظر آرہا تھا اور دوسری طرف انھیں ایک دیانت دار عالم کی طرح دارالعلوم کے نظام میں پیدا ہونے والی کمزوریوں کا بھی احساس تھا۔ اور اس دوگونہ احساس نے ان کے اندر بڑی گھٹن پیدا کر دی تھی اور میرے سامنے مفتی صاحب اس گھٹن کا اظہار کرنے پر مجبور ہوتے تھے اور مرحوم اشاروں میں دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالا کرتے تھے۔

تنظیم فضلاء کا ناظم بنانے میں مفتی صاحب اور مولانا منت اللہ صاحب رحمانی دونوں بزرگوں کی رائے شامل تھی لیکن جب میں دارالعلوم کے ہنگاموں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے گھبرا کر دہلی آتا اور مفتی صاحب سے ملتا تو مفتی صاحب کے ملے جلے تاثرات سن کر میں سمجھ لیتا کہ دارالعلوم اس انقلاب سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔

دارالعلوم کے جھگڑے میں اس رات کا منظر میں فراموش نہیں کرسکتا جس رات کو ہلڑ باز طلبہ مدنی منزل کی قیادت میں مہمان خانہ پر حملہ آور ہوئے اور شوریٰ کے اکابر وہاں موجود تھے، طلبہ خاص طور پر میرے خلاف نعرہ بازی کررہے تھے اور لوہے کے سریوں اور لاٹھیوں سے مسلح مجھے بھی اپنے حوالہ کرنے کا مطالبہ کررہے تھے اور میں ان بزرگوں کے ساتھ مہمان خانہ کے کمرہ میں تھا۔

اس وقت مفتی صاحب کی پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جارہی تھی ایک طرف وہ حوصلہ کا مظاہرہ کررہے تھے، دوسری طرف میرے بارے میں مولانا منت اللہ صاحب سے چپکے چپکے باتیں کررہے تھے کہ اسے حفاظت میں پہنچایا جائے، کیوں کہ مفتی صاحب جانتے تھے کہ اگر مجھے کچھ ہوگیا تو دلی میں اس کا کیا اثر ہوگا، اور مفتی صاحب دلی واپس آکر اس کا کیا جواب دیں گے؟

مفتی صاحبؒ دلی میں ہمارا مرکز تھے، ملک کی قومی قیادت کا معتمد سہارا تھے، مسلم عوام اور حکومت کے درمیان ایک سنجیدہ واسطہ تھے۔

جنتا انقلاب کے بعد میں اور مولانا انیس الحسن صاحب اور مولانا فقیہ الدین صاحب مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مرارجی بھائی کو وزیر اعظم منتخب ہونے پر مبارک باد کا ٹیلی گرام دے دیجیے، اب ان سے واسطہ پڑے گا۔ لیکن مفتی صاحبؒ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑی سنجیدگی سے انکار کر دیا۔

اس دور میں فرمایا کرتے تھے کہ میرا اندر ہی اندر دم گھٹ رہا ہے۔ ہم ایمرجنسی کے حالات سے متاثر تھے اور اس انقلاب سے خوش تھے مگر مفتی صاحب کی دور اندیشی حالات کو صحیح روشنی میں دیکھ رہی تھی چنانچہ تھوڑی مدت کے بعد معلوم ہوا کہ اپوزیشن پارٹیاں مسلم معاملات میں دکھاوے کے طور پر بھی ہمدردی کا اظہار کرنا غیر ضروری سمجھتی ہیں اور مفتی صاحب کی گھٹن بالکل صحیح ہے۔

مفتی صاحب مسلمانوں میں الگ سیاسی پلیٹ فارم کو پسند نہیں کرتے تھے، آزادی کے دور میں بھی مفتی صاحب نے اتحاد پسندوں کا ساتھ دیا اور قومی تحریکات میں شریک رہے اور مسلم مشاورت کی صدارت کے دور میں بھی مفتی صاحب اپنے سیاسی کردار پر قائم رہے اور مسلم لیگ کی سیاسی حکمت عملی کو مجلس میں داخل ہونے سے روکتے رہے۔

بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ جماعت اسلامی نے مفتی صاحب کی آڑ میں ملک کے اندر جگہ بنائی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ مفتی صاحب نے جماعت اسلامی کی مذہبی شدت پسندی کو کم کرنے میں بھی خاص رول ادا کیا۔

دیوبندی، بریلوی اختلاف ہو یا سنی شیعہ اور حنفی اہل حدیث اختلاف مفتی صاحب ان اختلافات میں شدت پیدا کرنے کے خلاف تھے، کیونکہ مرحوم میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اندر اتفاق و اتحاد قائم کرنے کا سچا جذبہ موجود تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوہرِ شب چراغ

ابن الانور مولانا محمد انظر شاہ مسعودی
شیخ الحدیث دارالعلوم (وقف) دیوبند

ہندوستان میں کم ہی ایسے خانوادے گزرے جن میں علم و آگہی، دین و دانش متوارث رہا اور اخلاف نے اپنے اسلاف کی روایات کو بدستور تابناک رکھا ہو۔ ان گنے چنے خوش قسمت خاندانوں میں دیوبند کا عثمانی خانوادہ بھی ہے جس کی خاندانی تاریخ روشن اور جاوید روایات بے مثال ہیں۔ مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ، مولانا مہتاب علی صاحبؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحبؒ، فقیہ الامت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نقشبندی، حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ، مفکرِ ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحبؒ، یہ چند نام تو ارتجالاً قلم پر آگئے۔ ورنہ اس خاندان میں بہت سے گوہر شب چراغ اور در شاہوار ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ایک شخصیت ساز ادارہ کا نام ہے۔ جس طالب علم پر آپ کی نظر پڑ گئی وہ خاک سے کاخ جا پہنچا۔ بارہویں صدی کے خاتمے اور تیرہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے علمی حلقوں میں جتنی کوہ پیکر شخصیتیں نظر آتی ہیں وہ حضرت مرحوم کے بالواسطہ یا بلاواسطہ تلامذہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی تدبیر و تدبر کے دائرہ میں ایسی منفرد شخصیت لے کر آئے کہ آج بھی دارالعلوم دیوبند کا زرین دور ان ہی مرحوم کی بے مثال قابلیت اور بے نظیر انتظام کا مرہون منت ہے۔ شخصیت سازی کا وہ جوہر قابل اپنے سینہ میں رکھتے کہ دارالعلوم سے وابستہ علمی پڑانوں کو کمالات کی شمعِ فروزاں بنا دیا۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن جو مفکر ملت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے والد ماجد تھے۔ زہد و اتقاء کے پیکر، استغناء و للّٰہیت کی تصویر، فنائیت و عبدیت کے ہمالہ، تواضع و فروتنی کے قلزم، نقشبندیت کے امام، تفقہ کی دولتوں سے مالا مال، لیکن بایں ہمہ از صبح تا شام بیوہ عورتوں یتیم بچوں، بے سہارا انسانوں اور بیکسوں کے لیے غلام بے دام تھے، یہ تعبیر دل و دماغ کے لیے شدید ناگوار ہے مگر کیا عرض کروں کہ صورت واقعہ کی ترجمانی کے لیے کوئی اور تعبیر مہیا نہیں، وہ اپنے محلہ کی نالیاں اپنے ہاتھ سے صاف کرتے، بیوہ عورتوں کے غلوں کی بوریاں پسوانے کے لیے لیجاتے تمام محلہ کا سودا سلف بازار سے لاتے۔ اور اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کا نعرہ لگا کر دنیا سے تعریف کے دو بول بھی لینے کے روادار نہیں تھے پھر بتائیے ایسے بے نفس کو غلام بے دام کہنے کی گستاخی نہ کروں تو صحیح صورت حال آپ کو کیسے سمجھاؤں، رہ گئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تو ان کا میمون عہد اس منحوس قحط الرجالی دور سے اتنا قریب ہے کہ پاکستان میں کروڑوں اور ہندوستان میں لاکھوں ان کو دیکھنے اور سننے والے اب بھی موجود ہیں۔ علامہ خسرو علم، فصاحت و بلاغت کے شہسوار، تقریر و وعظ کے اپنے عہد میں بے تاج بادشاہ تھے، حق پسندی ان کا شعار، حق بیانی ان کا امتیاز تھا۔ جس مجمع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں منکراتِ شرعی پر دار و گیر کی ہمت و حوصلہ بڑے بڑے شیخ الاسلاموں کو نہ ہوتا، وہاں علامہ کی حق پسندی کی آبدار و تابدار تلوار یکایک نیام سے باہر آجاتی اور پھر اس شمشیر کی کاٹ سے کبھی والیٔ حجاز کا لاشہ تڑپتا نظر آتا، کبھی خوسروتے دکن خونچکاں نظر آتے تو گاہے حافظ ابراہیم سابق وزیر کابینہ غلطاں و پیچاں دکھائی دیتے۔ بڑے بڑے مجمعوں پر چھا جانا حضرت علامہ کا ادنیٰ کرشمہ فصاحت اور حریف کو دو جملوں میں چت کر دینا مرحوم کا کمال فن تھا پھر ان سب اوصافِ جلیل پر عالمانہ معصومیت چھائی ہوئی، سینہ ایسا بے کینہ کہ کسی سے انتقام کی وہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے، قلب و دماغ علوم و کمالات کا وہ خزینہ کہ جب چاہتے موتی رولتے۔ اب تو اپنی یہی سب سے بڑی سعادت نظر آتی ہے کہ ان ہستیوں کو دیکھنے کا موقعہ لم یزل و لایزال نے عنایت فرمایا، ورنہ اس منحوس دور میں انسان نما بھیڑیوں سے جو قدم قدم پر سابقہ اور دین و دانش کے عیار تاجروں سے جو مرحلہ مرحلہ لاحقہ ہے اس نے تو دنیائے دنی و دوں سے دل ہی اچاٹ کر دیا۔

خیر یہ تو قلم بے تابانہ و بلا ارادہ عثمانی خاندان کی بعض نادر الوجود ہستیوں کی طرف مڑ گیا ورنہ تو اصل ذکر و تذکار مولانا مفتی عتیق الرحمٰن کا پیش نظر تھا، قطعاً یاد نہیں آتا کہ مرحوم مفتی صاحبؒ سے دید و شنید کا آغاز کب سے ہے البتہ غالباً ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے یا اس کے آس پاس کا کہ مولانا عبدالحق میاں سملکی امیر انجمن خدام الدین کی معیت میں دہلی کا سفر ہوا، اس زمانہ میں مفتی صاحبؒ اپنا سارا کاروبار قرول باغ میں جمائے بیٹھے تھے ــــ ندوۃ المصنفین کی پرشکوہ عمارت، عمارت میں سادگی، نظم و انتظام کی چستی، اہل علم کا اجتماع، دیدہ ور مصنفین کا حلقہ، ہر ایک زبان حال سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہہ رہا تھا کہ یہ چمن آرائی **مفتی صاحب**ؒ کے سلیقے اور قرینے کی مرہونِ منت ہے۔ میں اس زمانہ میں نہ صرف بے ریش و بروت بلکہ کم سن تھا، لیکن بڑوں کی عظمت کا مظاہرہ ایسے ہی حالات میں ہوتا ہے۔ مرحوم **مفتی صاحب**ؒ ایک نادان بچے کے لیے صرف استاذ زادہ ہونے کی بنا پر بدل و جان پذیرائی میں لگ گئے۔ بڑا مکلف کھانا تیار کرایا۔ گہرے جذبات محبت و شفقت سے کھلایا، گویا کہ شعور کے عالم میں **مفتی صاحب**ؒ سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد میرا دہلی میں مستقل قیام تین چار سال رہا ——————

ندوۃ المصنفین تو جانا یاد نہیں، البتہ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ادارۂ شرقیہ جامع مسجد دہلی کے عقب میں جس کے روحِ رواں مولانا ادریس صاحبؒ میرٹھی تھے۔ وہاں ....

...... دار العلوم کے قدیم و جدید فضلاء کا اجتماع ہوتا **مفتی صاحب** کی یہاں بار بار زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ۱۹۴۷ء کی قیامت خیزیوں نے مجھے دہلی سے اٹھا کر دیوبند پہنچا دیا، کچھ سال تعلیم میں گزرے اور رسمی فراغت کے بعد یہیں دار العلوم میں تدریس کا موقعہ مل گیا۔ ملازمت کے دوران مشکلات پیش آئیں تو مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کا ناخن گرہ کشا گرہ کشائی کرتا اس وقت کی مجلس شوریٰ میں مرحوم سکہ رائج الوقت تھے۔ استاذ زادہ ہونے کی بنا پر ان کی شفقتیں و عنایتیں نصیب تھیں۔ **مفتی صاحب**ؒ سے اس دور میں بھی تعلقات لیے دیے ہی رہے، مولانا حفظ الرحمٰنؒ کی وفات کے بعد اب ہمارے ملجا و ماوی **مفتی صاحب**ؒ تھے اور لاریب کہ انھوں نے ایسی بزرگانہ شفقت کا معاملہ فرمایا جس سے ان کی شرافت نسبی، وضعداری، مروت کا دل پر نقش ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفتی صاحبؒ شگفتہ و مہذب طنز میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے شگفتہ بیانی کی ملاوٹ اُسے نیش آلود نشتر کے بجائے شکر و انگبیں کا انجکشن بنا دیتی۔

کشمیر میں علامہ انور شاہ سمینار کے موقعہ پر میرواعظ منزل میں عشائیہ کے پروگرام کے ساتھ نامور شخصیتوں کی تقریر کا پروگرام تھا۔ سعید صاحب کی تقریر ضرورت سے زیادہ طویل ہوگئی۔ سامعین تو نیاز مند تھے کیا بولتے لیکن جب مفتی صاحب کھڑے ہوتے تو طویل تقریر پر چٹکیاں لیتے ہوئے اکبرالٰہ آبادی کی ایک رباعی پڑھی جس کا چوتھا مصرعہ ع

تاثیر دکھا تقریر نہ کر

تھا۔ بے چارے سعید صاحب خندہ زیرلب کے ساتھ منقار در پر ہوکر رہ گئے۔

ایک رات جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں مولانا حفظ الرحمٰنؒ مفتی صاحب مولانا محمد میاںؒ، مولانا نورالدین بہاریؒ، مولانا سید احمد رضا بجنوری وغیرہ موجود تھے۔ بے تکلف احباب کے اس مجمع کا موضوع شوہروں کا اپنی بیویوں کے ساتھ تعلق اور اس کی نوعیت تھی۔ اچانک مولانا حفظ الرحمٰنؒ اٹھے اندرون خانہ تشریف لے گئے اور معاً واپس آگئے، اس پر مفتی صاحب مرحوم نے اپنے خاص لہجے میں فرمایا۔

جی ہاں، یہ بھی ایک تعلق کی نوعیت ہے یعنی گرد ایک شے کے گھومنا ہے طواف!

یاد رہے کہ یہ حمدِ باری کا ایک مصرعہ ہے جس میں طواف کا ترجمہ کیا گیا ہے اس بھرپور طنز پر مجاہد ملت خاموش ہوکر رہ گئے۔

مفتی صاحب مرحوم کی کس کس ادا کا ذکر کیجیے اور کس کس بات کو یاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے ان کی یاد تازہ کیجیے۔ یہ حقیر تقریباً آٹھ سال دارالعلوم میں ناظم مجلس تعلیمی رہا، یہ عہدہ اپنے اثر و اقتدار کے لحاظ سے دارالعلوم میں اہتمام کے بعد دوسرا منصب تھا۔ مجلس شوریٰ میں مجھے بھی شرکت کا موقعہ ملتا۔ تعلیمات کی رپورٹ میں ہی پیش کرتا۔ اراکین شوریٰ میں مفتی صاحب کی شخصیت بڑی بھاری بھرکم تھی۔ کسی مسئلہ پر بحث و مباحثہ کے دروازے کھلتے اور یہ عقلائے کل دور بینی و دور اندیشی کے لیے بنیاد ہمالے تیار کرتے تو مفتی صاحبؒ کی دو ٹوک رائے پر بحث کا اختتام ہوتا، اگر میں کسی مسئلہ پر بولتا اور میری قیل و قال مفتی صاحبؒ کے منشاء کے خلاف ہوتی تو فرماتے۔

> حضرت شاہ صاحبؒ (علامہ انور شاہ کشمیریؒ) ابن حزم
> اُندلسی کی تیزیٔ تحریر کی بنیاد طحال کا عارضہ اور حدت
> جگر بتاتے، ہمارے شاہ صاحب (حقیر) بھی حدت جگر
> سے مریض ہیں اور اسی وجہ سے آپ کی رائے اس مسئلہ میں
> خاص بیماری کی نشاندہی کر رہی ہے۔

یہ فرما کر میری گفتگو کو غیر وقیع قرار دیتے، اور اگر کبھی میری کوئی بات مرحوم کے منشا کے مطابق ہوتی تو فرماتے۔

> جی ہاں سنی تو ناظم مجلس تعلیمی ہی کی جائیگی بڑا باوقار
> عہدہ ہے اور یہی ذمہ دار ہیں۔

غرضیکہ چٹکی بجاتے مفتی صاحبؒ الجھے ہوئے مسائل کو سلجھا لیتے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے انھیں خصوصی تعلق تھا، بر بناء معاصرت بے تکلفی بھی تھی۔ ایک روز مہتمم صاحب مرحوم دہلی میں مفتی صاحب کی رہائش گاہ پر زبردستی کے مہمان تھے۔ مفتی صاحب کبھی بریانی کی پلیٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کرتے تو مہتمم صاحبؒ فرماتے کہ جی ہاں اسے بھی کھاؤں گا۔ کبھی نرگسی کوفتوں کو بڑھاتے تو مہتمم صاحبؒ فرماتے۔ جی ہاں یہ بھی لوں گا۔ الوان و اقسام کے کھانے مفتی صاحبؒ نے اس طرح پیش کیے اور ہر ایک پر مہتمم صاحبؒ مرحوم کا یہی جواب تھا۔ مفتی صاحب مرحوم کھانے میں بہت محتاط بلکہ لیا دیا ہی کھاتے۔ مہتمم صاحبؒ کے اس طرز پر کہاں چوکنے والے تھے بپھر کر بولے۔

جی ہاں سب کھاؤں گا کسی چیز کا انکار نہیں ہے۔

ہم نیاز مند تو سناٹے میں آ گئے لیکن مہتمم صاحبؒ جو مفتی صاحبؒ کے اداشناس تھے اس پر تبسم زیر ہو گئے۔

مفتی صاحبؒ میں حلم بھی غایت درجہ کا تھا، وہ ناگوار باتوں کو برداشت کرنے میں بے مثال واقع ہوئے تھے۔ دارالعلوم کے حالیہ ہنگاموں میں سعید صاحب اکبرآبادی اور منظور صاحب نعمانی سے بے حد دل گیر تھے مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے انھیں امتیازی و اختصاصی تعلق تھا، ایک بار میرے سامنے قاری صاحب مرحوم کو رخصت کرنے کے لیے باہر تشریف لائے خود ہی کار کا دروازہ کھول کر مہتمم صاحب کو سوار کیا اور بھراتے ہوئے لہجہ میں فرمایا۔

میری گور کی خاک بھی اڑ کر آپ کا ساتھ دے گی۔

لیکن اس کے باوجود آخری دم تک سعید صاحب اکبرآبادی کو نبھاتے رہے حالاں کہ ہم نیاز مند خوب جانتے تھے کہ دارالعلوم کے موجودہ معاملات میں سعید صاحب کی پالیسی نے مفتی صاحب کے قلب پر چوٹ لگائی تھی، مرحوم ایسے باوفا و بامروت تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں والد مرحوم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد ایک دوسری شخصیت کا آفتاب اقتدار نمودار ہوا تو اس کی خیرہ کن چمک دمک سے والد مرحوم کے اکثر و بیشتر تلامذہ و متعلقین اُدھر ہی کے ہو کر رہ گئے لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے نہ اپنا طرز بدلا نہ اپنی روایت پر آنچ آنے دی نہ اپنے حضرت استاذ مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے ان کے بے پایاں تعلق میں ذرا سی کمی آئی، بلکہ خوب جانتا ہوں کہ وہ اس دوسرے آستانے تک کبھی پہنچے تک نہیں۔ اس پوری صورت حال پر یہ شعر کس قدر صادق ہے ؎

وہ تیری گلی کی قیامتیں کہ قبر سے مردے نکل پڑے
مگر اک مری جبین نیاز جہاں دھری تھی دھری رہی

مفتی صاحب کی علمی استعداد مضبوط اور سوادِ علمی ممتاز تھی، وہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں جو تعلیمی آخری سال ہے، امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے، دارالعلوم کا وہ خیر القرون تھا جب یہاں مجرد کامیابی بھی بہت دشوار تھی چہ جائیکہ اختصاصی نمبرات سے کامیابی، اس پر ان کے استاذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ نے اپنی تصانیف کے ساتھ دو روپے نقد انعام عنایت فرمایا۔ مرحوم اس نقد انعام کو بطور تبرک سنبھالے ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں درس نظامی کی دشوار تر کتاب بیضاوی سورہ بقرہ دورۂ حدیث سے فراغت پر ہوتی۔ مفتی صاحبؒ دارالعلوم میں معین المدرس مامور ہوئے تو آپ کو پڑھانے کے لیے دی گئی۔ بیضاوی کے درس میں پنجاب، پشاور ایران، قازان، بخارا، سمرقند وغیرہ کے ممتاز طلباء شریک تھے۔ مزید برآں علامہ کشمیریؒ سے حدیث کا درس لیے ہوئے فاضل طلباء کو بیضاوی پڑھانا کھیل نہ تھا۔ اس لیے مرحوم کبھی کبھی بطور تحدیث نعمت فرماتے۔

حضرت شاہ صاحب جیسے جبل علوم کے یہاں پڑھے ہوئے طلبا کو پڑھانا

© rasailojaraid.com